© rasailojaraid.com

# ڈاکٹر فرمان فتح پوریؒ۔ تاثرات و مشاہدات

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج
ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ کراچی

اردو کے ممتاز ادیب، محقق، نقاد، ماہر لغت صاحبِ لسانیات خمسہ (اردو، فارسی، عربی، انگریزی، ہندی) پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری طویل عرصہ بیمار رہنے کے بعد بالآخر ۳/اگست بروز ہفتہ ۲۴/رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ کو انتقال فرما گئے۔ بوقتِ انتقال ان کی عمر ستاسی سال تھی۔ وہ ۲۶/جنوری ۱۹۲۶ء کو ہندوستان یو۔پی کے شہر فتح پور ہسوہ کے ایک قریبی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام سید دلدار علی تھا۔ مگر وہ علمی دنیا میں اپنے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ وہ سات سال کی عمر میں یتیم ہوئے۔ اور تمام ترقیاں اور کامیابیاں اپنے بل بوتے پر حاصل کیں۔ بے خانماں لوگوں کیلئے ان کی زندگی ایک اچھی مثال ہے۔ ڈاکٹر فرمان نے ۱۹۶۴ء میں فتح پور کے مدرسہ اسلامیہ سے میٹرک کیا۔ اور ایک اسکول میں ٹیچر مقرر ہو گئے۔ اسی دوران انہوں نے آگرہ یونیورسٹی سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۵۰ء میں انہوں نے پاکستان ہجرت کی۔ اور کراچی میں قیام پذیر ہوئے اور تادم مرگ وہ یہیں رہے۔ یہاں انہوں نے معاش کے ہاتھوں مجبور ہو کر سول ایوی ایشن میں لوئر کیڈر میں ملازمت بھی اختیار کی۔ پھر ۱۹۵۵ء میں وہ کراچی کی کوتوال بلڈنگ اسکول میں ایک بار پھر اپنے پسندیدہ شعبے میں آ گئے۔ ۱۹۵۸ء میں انہوں نے شعبہ اردو جامعہ کراچی سے پہلی پوزیشن کے ساتھ ماسٹر کیا۔ اور ۱۹۶۵ء میں انہوں نے ''اردو میں منظوم داستانیں'' لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔ ۱۹۷۴ء میں انہوں نے ڈی لٹ کیا۔ یہ ڈگری انہیں ''اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری'' کے موضوع پر دی گئی۔ پاکستان میں پہلی ڈی لٹ کی ڈگری کا اعزاز ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا حاصل ہوا۔ (روزنامہ ڈان، کراچی، ۴/اگست ۲۰۱۳ء) وہ تین دہائیوں تک جامعہ کراچی سے وابستہ رہے۔ اس دوران انہوں نے ۶۰ کے قریب چھوٹی بڑی کتابوں کی تحریر، ترتیب اور ایڈیٹ کا کام کیا۔ ان کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں: اردو رباعی۔ اردو کی منظوم داستان۔ نیا اور پرانا ادب۔ مرزا شوق کی مثنویاں۔ اردو املاء اور رسم الخط۔ اردو کی نعتیہ شاعری۔ اقبال سب کیلئے اور غالب، شاعرِ امروز و فردا۔ وہ جامعہ کراچی میں شعبۂ اردو کے چیئر مین رہے۔ وہ بہت اچھے استاد مانے جاتے تھے۔ صحیح معنیٰ میں وہ استاذ الاساتذہ تھے۔ اردو لغت بورڈ کی ترتیب و تدوین میں بھی انہوں نے حصہ لیا۔ ۱۹۸۵ء میں وہ اردو ڈکشنری بورڈ کے چیف ایڈیٹر اور سیکریٹری مقرر ہوئے۔ وہ متعدد اہم ایوارڈز کے حامل تھے۔ جو انہیں اندرون و بیرونِ ملک سے حاصل ہوئے۔ ۱۹۸۵ء میں ہی حکومتِ پاکستان نے انہیں


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ستارۂ امتیاز سے نوازا۔

علامہ نیاز فتح پوریؒ سے ان کا تعلق استاد شاگرد کا تھا۔ مگر ان کی نیاز مندی، محبت اور شیفتگی دیکھتے ہوئے لوگ انہیں ان کا بیٹا سمجھتے تھے۔ بلاشبہ وہ ان کے روحانی بیٹے تھے اور اس رشتے کو انہوں نے مرتے دم تک نبھایا۔ علامہ نیاز کے انتقال (۱۹۶۴ء) کے بعد وہ ان کے رسالے نگار کے مدیر مقرر ہوئے۔ اور آخری وقت تک وہ اس کے مدیر رہے۔ وہ گزشتہ ۲۶ ربرسوں سے ہر سال ماہِ دسمبر میں علامہ نیاز فتح پوریؒ یادگاری لیکچر کا اہتمام کرتے تھے...... مرحوم کی نمازِ جنازہ ۴راگست ۲۰۱۳ء بروز اتوار بعد نماز ظہر، جامع مسجد خلفائے راشدین بلاک 13-D/1 گلشن اقبال میں ادا کی گئی۔ اور وہ اپنے مادرِ علمی میں، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ابدی نیند سو گئے۔ ان کے انتقال سے ایک بیوہ، چار بیٹیوں اور دو بیٹوں کے ساتھ ساتھ ہزاروں شاگردوں اور لاکھوں قارئین بھی سوگوار ہو گئے ہیں۔ اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے۔ آمین

---

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا نام اپنی طالب علمانہ زندگی کے اوائل میں سن رکھا تھا۔ دیکھنے کی تمنا بھی دل میں رکھتا تھا۔ سو وہ آرزو بھی اس روز پوری ہو گئی، جب وہ ہوٹل شیرٹن کراچی میں امام احمد رضا کانفرنس میں تشریف لائے اور خطاب فرمایا۔ کانفرنس کے دیگر مقررین میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر فرمان کا خطاب ڈاکٹر طاہر القادری سے پہلے رکھوایا گیا تھا۔ ڈاکٹر طاہر القادری خطابت کے بادشاہ مانے جاتے ہیں۔ ان کے سامنے بڑے سے بڑا مقرر یا عالم جم نہیں پاتا مگر ڈاکٹر فرمان مرحوم نے اپنی تقریر سے اس بات کو غلط ثابت کر دیا۔ انہوں نے ایسے دلنشین، اثر انگیز اور دلرُبا الفاظ وانداز میں اپنا موضوع سخن اٹھایا کہ عام سامعین تو کُجا طبقۂ خواص کے لوگ بھی جھوم اٹھے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جس وقت ڈاکٹر فرمان فتح پوری تقریر فرما رہے تھے ڈاکٹر طاہر القادری خود انہیں گردن گھما گھما کے دیکھتے جا رہے تھے...... تو یہ تھا وہ پہلا موقع جب میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے دید و کلام سے متعارف ہوا۔ متعارف نہیں بلکہ گھائل ہوا۔ پھر دوسری بار ۱۹۹۷ء میں میرا ان کا سامنا ایک سلیکشن بورڈ میں ہوا۔ میں جامعہ کراچی میں اسسٹنٹ پروفیسر کا امیدوار تھا اور وہ سلیکشن بورڈ کے ممبر۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے انہوں نے اردو زبان وادب کے پہلو سے سب سے اچھی تفسیر کا سوال پوچھا تھا اور میں نے تفسیرِ ماجدی کا نام لیا تھا۔ ان کا اگلا سوال اسی تسلسل میں یہ تھا کیا پاکستان کے کسی مفسرِ قرآن کو بھی زبان وادب کے پہلو سے اہم قرار دیا جا سکتا ہے۔ میں نے پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی تفسیر ضیاء القران کا حوالہ دیا۔ پھر ان دونوں تفسیروں کے تعلق سے کچھ ضمنی سوال جواب بھی ہوئے...... بہر حال سلیکشن بورڈ نے میرا تقرر کر دیا۔ یہ میری زندگی کا سب سے اہم سلیکشن بورڈ تھا۔ کیونکہ اس سلیکشن بورڈ میں میں واحد امیدوار تھا جس کی کوئی سفارش نہ تھی، جبکہ میرے مقابلے پر تین امیدوار ایسے تھے جن کی پشت پر بڑی بڑی سفارشیں تھیں اور قیاس آرائیاں یہی تھیں کہ انہی تین میں سے کسی ایک کا ہو گا۔ مگر یہ میدان میرے سر رہا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔ تفصیل پھر کسی وقت۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ڈاکٹر فرمان فتح پوریؒ سے باقاعدہ ملاقاتوں کا سلسلہ اس وقت قائم ہوا جب ۲۰۰۵ء میں میں نے اپنا ریسرچ جرنل التفسیر نکالنا شروع کیا۔ یہ جرنل سہ ماہی تھا۔ جب بھی جرنل چھپتا میں اسے ڈاکٹر فرمان کے پاس خود لے کر جاتا اور ان کی خدمت میں پیش کرتا۔ وہ خوش ہوتے، مشورے دیتے اور کامیابی کی دعائیں کرتے۔ انہیں اپنے ہاتھوں سے دینے کا مقصد بھی یہی ہوتا تھا۔ ان ملاقاتوں میں ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی بھی اکثر و بیشتر میرے ساتھ ہوتے تھے۔ ہماری یہ ملاقات اردو لغت بورڈ کے دفتر میں ہوتی تھی۔

ڈاکٹر صاحب نگاہ بلند اور سخن دلنواز کے پیکر تھے اور دل موہ لینے کی صلاحیتوں سے مالا مال۔ وہ ادب کے ساتھ مذہب کی معلومات بھی بہت رکھتے تھے۔ اور عربی گرامر سے بھی خوب واقف تھے۔ اور اپنی یہ واقفیت لوگوں پر ظاہر بھی کرتے رہتے تھے، وہ اکثر لوگوں سے صیغے پوچھ لیا کرتے تھے۔ شروع شروع میں خود مجھ پر بھی اپنا یہ ہنر انہوں نے کئی بار آزمایا...... ایک بار جب ان کے وطنِ مالوف کا ذکر چھڑا تو انہوں نے اپنے ابتدائی مدرسے کا بھی ذکر کیا، جہاں سے انہوں نے عربی سیکھی تھی۔ وہ مجھ سے اپنے مسلک کا ذکر بھی کرتے تھے۔ وہ مسلکاً بریلوی تھے مگر شدت یا تعصب نام کو نہ تھا۔ بس تعارف کے طور پر خود کو بریلوی بتا دیا کرتے تھے۔ وہ خوش خصال اور خوش گفتار انسان تھے۔ ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو اور علم کی مہک تھی۔ حافظہ اتنے غضب کا تھا کہ باید و شاید۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ یہ سب باتیں اتنی جزئیات کے ساتھ انہیں یاد کیسے رہتی ہیں۔ ان کی گفتگو میں برجستہ اشعار کا استعمال بہت زیادہ تھا۔ وہ جب کوئی شعر سناتے تو اس کا مفہوم بھی بتاتے۔ اس کی دیگر لطیف خوبیاں بھی اجاگر کرتے۔ اس معاملے میں اتنے مجورس تھے کہ بس۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ کوئی بدذوق بھی ان کی صحبت میں بیٹھ جاتا تو اسے بھی شعر و سخن سے پیار ہو جاتا۔

ایک مرتبہ میرے مضامین پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا شکیل میاں! میں تمہیں کچھ عنوانات دیتا ہوں۔ اس پر لکھو۔ یہ بہت اہم موضوعات ہیں میرے خیال میں اسے عصرِ حاضر کے تناظر میں سمجھنے اور لکھنے کی ضرورت ہے۔ تم سے امید ہے۔ تم لکھ سکتے ہو۔ میں نے وہ عنوانات اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیئے۔ اور ان سے وعدہ کیا کہ ضرور لکھوں گا۔ مگر افسوس کہ اب تک ان موضوعات پر توجہ نہ دے سکا۔ شاید کسی وقت ان کی خواہش پوری کر سکوں۔

ڈاکٹر فرمان سے ان کے ایمرٹس پروفیسر بننے کے بعد جب پہلی بار ملاقات ہوئی (جو ایک طویل عرصے کے بعد ہو رہی تھی) اس وقت انہیں عصائے پیری کے ساتھ دیکھا۔ وہ صوفے پر براجمان تھے اور کچھ ملاقاتی حضرات ان کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ یہ ڈین آف آرٹس کا دفتر تھا۔ ڈین یعنی ڈاکٹر ظفر اقبال نے مجھے بھی وہیں جگہ دے دی۔ مرحوم بڑے تپاک سے ملے۔ ان کے ملنے میں وہی گرمجوشی اور محبت تھی جو ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔ پتہ چلا کہ موصوف اکثر اس دفتر میں تشریف لاتے ہیں۔ کیونکہ ایمرٹس پروفیسر بننے کے بعد ان کے دفتر کی ضروری آرائش ڈین آف آرٹس کے ذمہ ہے۔ اس لئے وہ اکثر یہیں آ جاتے ہیں۔ مگر اس بار انہیں اٹھتا ہوا اور چلتا ہوا دیکھ کر دل مسوس کر رہ گیا۔ کیونکہ وہ اپنی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اقامت ورفتار میں غیر ہموار ہو چکے تھے۔ قبل ازیں ان کی گفتگو سے اس طرح کا اضمحلال ظاہر نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس ملاقات سے بہت پہلے بھی ان کی عیادت کیلئے جب ان کے گھر جانا ہوا تھا۔ تو اس وقت بھی انہیں اتنالا چار نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ اس وقت وہ ایک بڑے آپریشن کے مرحلے سے گزرے تھے۔ مگر اس کے باوجود اس ملاقات میں میں نے انہیں ہمیشہ کی طرح زندہ دل، باغ و بہار، اور مرنجاں مرنج پایا۔ جسمانی کمزوری ضرور لاحق تھی مگر دماغ تروتازہ بلکہ توانا تھا۔ اس موقع پر انہوں نے اردو کے ساتھ فارسی اور عربی کے اشعار بھی سنائے اور ان کے معنی بھی سمجھائے۔ اس ملاقات میں ڈاکٹر غلام مہدی، ڈاکٹر حسام الدین منصوری اور ڈاکٹر ریحانہ فردوس، ڈاکٹر عارف خان ساقی اور فیکلٹی کے دیگر اساتذہ بھی موجود تھے۔ اجتماعی ملاقات بڑی پُر لطف رہی......اور ہم علم وادب کے اس عظیم اسکالر کو دل سے دعائیں دیتے ہوئے رخصت کے طالب ہوئے۔ ۲۰۱۲ء میں جب مجھے فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز کا ڈین مقرر کیا گیا تو بحیثیت ڈین، بورڈ آف ایڈوانس اسٹڈیز اینڈ ریسرچ کے ماہانہ بنیادوں پر منعقد ہونے والے اجلاسوں میں چونکہ میری شرکت ناگزیر تھی۔ اور ڈاکٹر فرمان صاحب بحیثیت ایمریٹس پروفیسر اس بورڈ کے ممبر تھے۔ تو وہاں بھی ہر ماہ نہ سہی مگر وقفے وقفے سے ان کی زیارت کی سبیل ضرور پیدا ہوگئی تھی۔ شروع کے اجلاسوں میں تو وہ عصاء پیری کے سہارے تشریف لاتے رہے۔ مگر بعد میں ان کی حالت مزید ابتر ہوگئی تھی وہ عصائے پیری سے ویل چیئر پر آ گئے تھے مگر آنا نہیں چھوڑا تھا...... بورڈ کے ممبرز میں ڈاکٹر ارتفاق علی، ڈاکٹر منظور احمد، اور ڈاکٹر عطاء الرحمٰن جیسے عظیم المرتبت علماء اور اسکالرز بھی شامل ہیں۔ اور وہ سب بھی گاہے گاہے تشریف لاتے رہتے ہیں۔ مگر ان سب میں سب سے زیادہ تشریف لانے والے ڈاکٹر فرمان فتح پوری ہی تھے۔ اس سے ان کی فرض شناسی، علم دوستی، اور جامعہ سے بے لوث تعلق کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ افسوس وہ اب ہم میں نہیں۔ اب نہ ان کی زیارت ہو سکتی ہے اور نہ ان سے ملاقات۔ مگر ان کی یادیں، ان کی باتیں ضرور ہم میں رہیں گی۔ وہ کبھی ختم نہ ہوں گی۔ بلکہ آئندہ نسلوں میں منتقل ہوں گی۔ ان کا ذکر، ان کا چرچا علم وادب کے ایوانوں میں ہمیشہ رہے گا اور ان کا نام ان ایوانوں کے گنبد میں سدا گونجتا رہے گا......اور یوں چراغ سے چراغ جلتے رہیں گے۔ دنیائے علم وادب کا یہی دستور ہے۔ یہی ہوتا آیا ہے اور یہی ہوتا رہے گا......

دائم آباد رہے گی دنیا
ہم نہ ہونگے کوئی ہم سا ہوگا

---



© rasailojaraid.com